سبق:۲۱ سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے

شاعر
احمد فراز
(1931-2008)

شاعر کا تعارف

پاکستان کے نامور رومانوی شاعر احمد فرازؔ کا اصل نام سید احمد شاہ اور تخلص فراز تھا۔ صوبہ خیبر پختون خوا کے شہر نوشہرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید محمد شاہ جو برق تخلص کرتے تھے وہ بھی فارسی زبان کے ممتاز شاعر تھے۔ احمد فراز ایڈورڈ کالج پشاور میں طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر و ادب کی دنیا میں قدم رکھ چکے تھے۔ وہ فیض احمد فیض اور علی سردار جعفری جیسے ترقی پسند شعرا سے بہت متاثر تھے۔

احمد فراز کی شاعری میں غمِ دوراں اور غمِ جاناں بہ یک وقت ملتے ہیں۔ وہ سماجی ناانصافیوں کے خلاف ہر دور میں بغاوت کا عَلَم بلند کرتے رہے۔ اس کی پاداش میں انھوں نے کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

احمد فراز مختلف اہم سرکاری عہدوں پر بھی فائز رہے۔ وہ ادارہ اکادمی ادبیات کے بانی ڈائریکٹر جنرل تھے اور بعد ازاں اس کے چیئرمین بھی رہے۔ اس کے علاوہ نیشنل بک فاؤنڈیشن کے بھی چیئرمین رہے۔

احمد فراز نے شعر و ادب میں بہت کام کیا اور خوب نام کمایا۔ ان کے شعری مجموعوں میں ''تنہا تنہا''، ''جاناں جاناں''، ''دردِ آشوب''، ''خواب گل پریشاں ہے''، ''نایافت''، ''شب خون'' وغیرہ شامل ہیں۔ ان کا تمام کلام ''کلیات احمد فراز'' کی شکل میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔

احمد فراز کو ان کی علمی و ادبی خدمات کے حوالے سے متعدد اعزازات سے نوازا گیا، جن میں آدم جی ادبی انعام، کمالِ فن ایوارڈ، ستارہ امتیاز اور ہلالِ امتیاز شامل ہیں۔ احمد فراز 23۔ اگست 2008 میں گردے فیل ہونے کی وجہ سے اسلام آباد میں انتقال کر گئے۔

اشعار کی تشریح

شعر نمبر 1

سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے
ورنہ اتنے تو مراسم تھے کہ آتے جاتے

حل لغت مراسم (روابط)

مفہوم محبوب رخصت ہوتے وقت ملاقات کے تمام راستے بند کر گیا ورنہ وہ چاہتا تو کچھ حد تک رابطہ رکھا جا سکتا تھا۔

تشریح

احمد فرازؔ ہر دل عزیز اور مقبولِ عام ترقی پسند اور انقلابی سوچ کے حامل شاعر تھے۔ احمد فرازؔ نے اپنی شاعری کو غمِ دوراں اور غمِ جاناں کا ایک حسین امتزاج بنا کر پیش کیا۔ انھیں اپنی شاعری کے تیکھے پن اور کاٹ دار لب و لہجے کے باعث کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ نغمگی، موسیقیت، تغزل، روانی اور رومانویت ان کی شاعری کی اہم خصوصیات ہیں۔ فراق گورکھ پوری احمد فراز کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں۔

''احمد فراز کی شاعری اُردو میں ایک نئی اور توانا آواز کی حیثیت رکھتی ہے۔''

تشریح طلب شعر میں شاعر محبوب کی بے رخی اور بے حسی کا تذکرہ کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ محبوب قطع تعلقی کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن مجھے امید تھی کہ ماضی میں ہمارے جو اچھے مراسم رہے ہیں محبوب ان کا ضرور پاس رکھے گا اور وہ تعلق بالکل منقطع کرنے کی

بجائے آنے جانے اور دعا سلام کی حد تک تو رابطہ بحال رکھے ہی گا۔ لیکن افسوس کہ محبوب نے ماضی کے اچھے روابط کا بھی لحاظ نہ رکھا۔ محبوب رخصت ہوتے وقت میرے ساتھ تمام تعلقات توڑ کر چلا گیا۔ حالاں کہ ہمارے تعلقات ایسے نہ تھے کہ ایک دم توڑ دیے جاتے اور ملاقات کے تمام سلسلے منقطع کر دیے جاتے۔ بقول ندا فاضلی:

دشمنی لاکھ سہی ختم نہ کیجیے رشتہ دل ملے یا نہ ملے ہاتھ ملاتے رہیے

''سلسلے توڑ گیا'' کا مطلب ہے کہ سبھی رشتے ناتے اور تعلقات ختم کر گیا۔ ''جاتے جاتے'' کے الفاظ سے عیاں ہے کہ یہ فیصلہ الوداع کہتے وقت جلد بازی میں اور بے سوچے سمجھے کیا گیا۔ ایک جگہ احمد فراز یوں کہتے ہیں:

کیا کہیں کتنے مراسم تھے ہمارے اُس سے وہ اِک شخص ہے منہ پھیر کے جانے والا

شاعر جہاں محبوب کے ساتھ تعلقات منقطع ہونے کی بات کر رہا ہے وہیں وہ ماضی میں محبوب کے ساتھ اپنے مضبوط مراسم اور تعلقات کا ذکر بھی کر رہا ہے۔ اس میں شکوہ بھی ہے کہ محبوب کو تعلقات ختم کرتے وقت اتنا سوچ لینا چاہیے تھا کہ ماضی میں ہمارا ایک دوستانہ تعلق رہا ہے۔ ہم ایک عرصہ تعلق میں رہے ہیں، اس پر اتنا تو حق بنتا ہے کہ کبھی کبھار رابطے یا بات چیت کا کوئی ذریعہ برقرار رکھا جاتا۔ اتنا تو ہونا چاہیے تھا کہ ہمارا آنا جانا رہتا۔ رابطہ مضبوط نہ سہی کمزور ہی سہی لیکن کچھ نہ کچھ رہتا تو ضرور۔ محبوب نے ماضی کے تعلقات اور روابط کا ذرا بھی بھرم نہیں رکھا۔

آپ ہی اپنے ذرا جور و ستم کو دیکھیں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی (وزیر علی صبا لکھنوی)

شعر اپنے اندر گہری جذباتیت اور دکھ لیے ہوئے ہے۔ ''جاتے جاتے'' کے الفاظ کی تکرار سے شعر کا صوتی حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ یہ صنعتِ تکرار کا عمدہ استعمال ہے۔ ''آتے جاتے'' کے الفاظ نہایت بلیغ ہیں، یہ معمول کے تعلقات کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا صوتی آہنگ نہایت خوب صورت ہے۔ شعر سادگی، روانی اور سلاست سے بھرپور ہے۔ سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔

شعر نمبر 2

شکوۂ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

حل لغت شکوہ (گلہ، شکایت) ظلمتِ شب (رات کی تاریکی)

مفہوم رات کے اندھیرے کو برا بھلا کہنے سے بہتر تھا ہر شخص اپنے حصے کی کوئی شمع جلا دیتا۔

تشریح

احمد فرازؔ ہر دل عزیز اور مقبولِ عام ترقی پسند اور انقلابی سوچ کے حامل شاعر تھے۔ احمد فرازؔ نے اپنی شاعری کو غمِ دوراں اور غمِ جاناں کا ایک حسین امتزاج بنا کر پیش کیا۔ انھیں اپنی شاعری کے تیکھے پن اور کاٹ دار لب و لہجے کے باعث کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ نغمگی، موسیقیت، تغزل، روانی اور رومانویت ان کی شاعری کی اہم خصوصیات ہیں۔ فراق گورکھ پوری احمد فراز کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں۔

''احمد فراز کی شاعری اُردو میں ایک نئی اور توانا آواز کی حیثیت رکھتی ہے۔''

تشریح طلب شعر میں شاعر کہتا ہے کہ ہر شخص رات کی ظلمت پر شکایت تو کرتا ہے لیکن اسے دور کرنے کے لیے شمع کوئی نہیں جلاتا۔ جب کہ بہتر یہ ہے کہ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق ظلمت کو دور کرنے کی سعی کرے۔ ''ظلمتِ شب'' علامت ہے زمانے کی خرابی، جہالت، ظلم و ستم اور بدامنی کی۔ جب کہ شمع علامت ہے تعمیری کوششوں کی، علم و فن، امن و آشتی اور ترقی و خوش حالی کی۔ شاعر کہتا ہے کہ زمانے کی خرابی کا شکوہ شکایت کرتے رہنے کی بجائے ہر شخص کو انفرادی سطح پر کوئی نہ کوئی تعمیری کام کرنا چاہیے۔

تا کہ زمانے کی وہ خرابی دور ہو سکے۔ معاشرہ افراد ہی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جب ہر فرد پوری ایمان داری سے اپنی ذمہ داری ادا کرے گا تو پورے معاشرے کی اصلاح ہو جائے گی۔ بقول علامہ اقبال:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

(علامہ اقبال)

دنیا میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں، ایک وہ جو ہمیشہ زمانے کی خرابی کا شکوہ کرتے رہتے ہیں اور اس خرابی کا ذمہ دار کبھی معاشرے کو اور کبھی حکومت کو ٹھہراتے ہیں۔ جب کہ اپنی ذمہ داریوں سے وہ راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جو خرابیوں کا شکوہ کرنے کی بجائے یہ دیکھتے ہیں کہ ان خرابیوں کو درست کرنے کے لیے ہم کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی ذمہ داری بھرپور طریقے سے ادا کرتے ہیں۔

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا (جگر مراد آبادی)

شاعر کے ارد گرد زیادہ تر پہلی قسم کے لوگ ہیں جو ظلمتِ شب پر شکوہ کناں تو ہیں لیکن اسے دور کرنے کے لیے کوئی اقدام نہیں کرتے یہاں تک کہ معمولی سی شمع بھی روشن کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ چناں چہ ایسے میں شاعر کہتا ہے کہ ظلمتِ شب کا شکوہ کرنے سے کہیں بہتر تھا کہ ہر شخص اپنے حصے کی کوئی شمع ہی روشن کر دیتا تا کہ رات کی تاریکی کچھ تو کم ہوتی۔ دنیا میں چاروں طرف اندھیرا ہے۔ ہر شخص اپنے حصے کا چراغ جلا کر کسی حد تک روشنی کر سکتا ہے۔ یہ بات اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم خرابیوں اور خامیوں پر محض باتیں کرتے رہیں۔ ہر شخص اپنی ہمت اور صلاحیت کے مطابق تعمیری جذبے سے کام لے۔ ایک نہ ایک دن یہ تاریکی ضرور ختم ہو جائے گی۔ بقول ساحر لدھیانوی:

کچھ اور بڑھ گئے ہیں اندھیرے تو کیا ہوا مایوس تو نہیں ہیں طلوعِ سحر سے ہم

"شمع جلاتے جاتے" کے الفاظ میں اشارہ ہے کہ خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی، چاہے وہ معمولی سی ہی کوشش کیوں نہ ہو۔ یہ معمولی سی کوشش چاہے زندگی کے اختتام پر ہی کیوں نہ کرنی پڑے، ضرور کرتے جانا چاہیے تا کہ آنے والوں کو اس سے فائدہ ہو اور وہ اس میں مزید اضافہ کرتے رہیں۔

شعر ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کو سوچنے سمجھنے اور عمل کی جانب راغب کرتا ہے۔ "ظلمتِ شب" کے الفاظ شروع میں لا کر اس سے متعلقہ الفاظ "شمع جلاتے" لائے گئے ہیں۔ یہ صنعت مراعات النظیر ہے۔ تشبیہ اور استعارہ کو خوب استعمال کیا ہے۔ شعر کے قافیہ اور ردیف میں صوتی آہنگ نہایت خوب صورت ہے۔

شعر نمبر 3

کتنا آساں تھا ترے ہجر میں مرنا جاناں
پھر بھی اک عمر لگی، جان سے جاتے جاتے

حل لغت ہجر (جدائی) جاناں (محبوب) جان سے جانا (مراد مرنا)

مفہوم اے محبوب تیری جدائی میں مر جانا بہت آسان تھا مگر پھر بھی مرنے میں ایک عمر لگ گئی۔

تشریح

احمد فراز ہر دل عزیز اور مقبولِ عام ترقی پسند اور انقلابی سوچ کے حامل شاعر تھے۔ احمد فراز نے اپنی شاعری کو غمِ دوراں اور غمِ جاناں کا ایک حسین امتزاج بنا کر پیش کیا۔ انھیں اپنی شاعری کے تیکھے پن اور کاٹ دار لب و لہجے کے باعث کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ نغمگی، موسیقیت، تغزل، روانی اور رومانویت ان کی شاعری کی اہم خصوصیات ہیں۔ فراق

Parho.pk

گورکھ پوری احمد فراز کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں۔

''احمد فراز کی شاعری اُردو میں ایک نئی اور توانا آواز کی حیثیت رکھتی ہے۔''

تشریح طلب شعر میں شاعر محبوب کے ہجر و فراق میں ملنے والی تکالیف کا تذکرہ کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے محبوب ہم نے سوچا تھا کہ تم سے اگر جدا ہوئے تو مر جائیں گے، اس وقت یہ بات کہنا بہت آسان لگتا تھا۔ لیکن درحقیقت یہ بہت مشکل کام ہے۔ تیری جدائی اور فراق کو سہتے سہتے ایک عرصہ گزر گیا ہے۔ بقول اکبرالٰہ آبادی:

آئی ہو گی کسی کو ہجر میں موت ۔۔۔ مجھ کو تو نیند بھی نہیں آتی

اے محبوب تیرے فراق اور ہجر میں موت بہت آسان تھی مگر مجھے جان سے جانے میں ایک عرصہ لگا۔ بظاہر یہ آسان لگتا ہے کہ انسان کسی کی جدائی میں مر جائے گا لیکن درحقیقت یہ مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ موت نجات ہے مگر نجات کی گھڑی اچانک نہیں آجاتی، بلکہ اس کے لیے بھی ایک طویل انتظار کرنا پڑتا ہے۔ مشہور عربی مقولہ ہے:

الانتظار اشد من الموت ۔۔۔ انتظار موت سے بھی سخت ہوتا ہے

موت کی تکلیف تو ایک بار سہنا پڑتی ہے اور انسان اس تکلیف سے نجات پا لیتا ہے جب کہ ہجر کی اذیت میں انسان پل پل مرتا ہے اور پل پل جیتا ہے۔ وہ نہ زندوں میں ہوتا ہے نہ مردوں میں۔ محبوب کی جدائی میں وقت گزارنا موت سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ چناں چہ شاعر کو ہجر کی اذیت کی نسبت موت کی سختی اور تکلیف زیادہ آسان لگتی ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ موت بھی نہیں آتی۔ بقول شاعر:

اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے ۔۔۔ پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے (داغ دہلوی)

شاعر نے راہِ محبت کی مشکلات کا ذکر بڑے مؤثر انداز میں کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ راہِ محبت میں موت بھی آسان نہیں ہوتی۔ موت کی وجہ سے محبوب کے ہجر و فراق میں تڑپنے کی اذیت سے نجات مل سکتی ہے لیکن عاشق کو مرتے مرتے بھی ایک عرصہ لگتا ہے۔ بقول غالب:

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی ۔۔۔ موت آتی ہے پر نہیں آتی

اور بقول احمد ندیم قاسمی:

تیرا پیمانِ وفا راہ کی دیوار بنا ۔۔۔ ورنہ سوچا تھا کہ جب چاہوں گا مر جاؤں گا

(احمد ندیم قاسمی)

فراق گورکھ پوری احمد فراز کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں۔

''احمد فراز کی شاعری اُردو میں ایک نئی اور توانا آواز کی حیثیت رکھتی ہے۔''

احمد فراز بنیادی طور پر رومانوی شاعر ہیں لیکن ان کی رومانیت میں حقیقت پسندی کا عنصر شامل ہے۔ غمِ دوراں اور غمِ جاناں کے ساتھ عصری شعور میں مکمل ادراک موجود ہے۔ تشبیہات، استعارات اور علامتوں کا برتاؤ اس طرح ملتا ہے کہ صوری اور معنوی تاثر قاری کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

تشریح طلب شعر میں انتہائی سادگی سے گہرا فلسفہ بیان ہوا ہے۔ شاعر نے محبوب سے جدائی کی شدت اور اس کے نتیجے میں ہونے والی تکلیف کو خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ شعر میں ''جاتے جاتے'' کے الفاظ میں تکرار سے شعر کا صوتی حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ یہ صنعتِ تکرار کا عمدہ استعمال ہے۔ ''اک عمر لگی'' اور ''جان سے جانا'' محاورات ہیں جو نہایت برمحل استعمال ہوئے ہیں۔

شعر نمبر 4

جشنِ مقتل ہی نہ برپا ہوا ورنہ ہم بھی
پابجولاں ہی سہی ناچتے گاتے جاتے

حل لغت جشنِ مقتل (قتل گاہ کا جشن) برپا ہونا (منعقد ہونا) پابجولاں (پاؤں میں بیڑیاں)

مفہوم قتل گاہ میں کوئی جشن منعقد نہ ہوا ورنہ ہم بھی زنجیر میں جکڑے ہوئے خوشی سے قربان ہونے جاتے۔

تشریح

احمد فرازؔ ہر دل عزیز اور مقبولِ عام ترقی پسند اور انقلابی سوچ کے حامل شاعر تھے۔ احمد فرازؔ نے اپنی شاعری کو غمِ دوراں اور غمِ جاناں کا ایک حسین امتزاج بنا کر پیش کیا۔ انھیں اپنی شاعری کے تیکھے پن اور کاٹ دار لب و لہجے کے باعث کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ نغمگی، موسیقیت، تغزل، روانی اور رومانویت ان کی شاعری کی اہم خصوصیات ہیں۔ فراق گورکھ پوری احمد فراز کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں۔

''احمد فراز کی شاعری اُردو میں ایک نئی اور توانا آواز کی حیثیت رکھتی ہے۔''

تشریح طلب شعر میں شاعر اپنی ہمت، بہادری اور جرأت کا تذکرہ کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ لوگ عموماً موت سے ڈرتے ہیں، موت کو شکست سمجھتے ہیں، موت کے نام پر ان کے رونگٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن عاشقِ صادق کے لیے محبوب کی خاطر جان قربان کرنا سب سے بڑی سعادت ہوتی ہے۔ بقول شاعر:

عشق جب قتل گاہ کو جاتا ہے   یہ بھی روزِ سعید ہوتا ہے

دراصل یہ عاشق کے عشق کی صداقت کی علامت ہوتی ہے۔ جان قربان کرنے سے عاشق محبوب کی نظروں میں سرخرو ہو جاتا ہے۔ جان کی قربانی عشق کی صداقت کا سب سے بڑا امتحان ہوتا ہے۔ غالبؔ کے بقول جب تلوار عاشق کا سر قلم کرنے کے لیے نیام سے باہر نکلتی ہے تو عاشق کے لیے وہ عید کے چاند کی مانند ہوتی ہے۔ بقول غالبؔ:

ع   عید نظارا ہے شمشیر کا عریاں ہونا

چناں چہ شاعر کہتا ہے کہ قتل گاہ میں ہی کوئی جشن منعقد نہ ہوا اگر ہوتا تو ہم بھی خوشی خوشی جان قربان کرنے آتے، اگرچہ ہمارے پاؤں میں بیڑیاں ہیں، مگر ہم اس حال میں بھی ضرور جاتے، کیوں کہ ہم اپنے عشق میں صادق ہیں۔ لیکن افسوس کہ قتل گاہ میں عاشقوں کی آزمائش کے لیے ایسا کوئی امتحان ہی نہ ہوا۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے   دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

(بسملؔ عظیم آبادی)

شعر کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بہادر لوگ کسی بھی عظیم مقصد کے لیے جان کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرتے۔ وہ ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں، چاہے اس کے لیے انھیں سر ہی کیوں نہ کٹوانا پڑے۔ احمد فرازؔ نے ساری زندگی جاگیرداروں، وڈیروں اور سرمایہ داروں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیے رکھا۔ ان کی شاعری میں معاشرتی ناہمواریوں، سماجی ناانصافیوں اور حکومتِ وقت کے ظالمانہ فیصلوں کے خلاف شدید ردِعمل پایا جاتا ہے۔ چناں چہ شاعر نے یہاں اپنے عزم و حوصلے اور ہمت کا ذکر کیا ہے کہ میں ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت رکھتا ہوں اور اس کے عوض قید و بند کی صعوبت بھی برداشت کرتا ہوں۔ پاؤں میں بیڑیاں ہونے کے باوجود میرے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ میں نے سنا تھا کہ ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کو تختۂ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں قتل گاہ میں ایسا کوئی منظر نظر نہیں آیا ورنہ میں پابجولاں ہوتے ہوئے بھی بخوشی تختۂ دار کی جانب جان قربان کرنے کے لیے چلا آتا۔ کیوں کہ مجھے معلوم ہے بہادر لوگ جس حوصلے اور شان سے تختۂ دار یا قتل گاہ کی طرف جاتے ہیں وہ انھیں زندہ و جاوید اور امر کر دیتی ہے۔ بقول فیض احمد فیضؔ:

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے   یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

(فیض احمد فیضؔ)

شعر روانی اور سلاست سے بھرپور ہے۔ ''ناچتے، گاتے، جاتے'' کے الفاظ میں ''تے'' کی تکرار نہایت دل کش ہے۔ ان الفاظ سے شاعر کا عزم اور حوصلہ جھلکتا نظر آتا ہے جو مشکلات کے باوجود برقرار رہتا ہے۔

شعر نمبر 5

اُس کی وہ جانے اسے پاسِ وفا تھا کہ نہ تھا
تم فرازؔ اپنی طرف سے تو نبھاتے جاتے

حلِ لغت پاس وفا (وفا کا لحاظ) نبھانا (وفاداری کرنا)

مفہوم اسے وفا کا لحاظ تھا یا نہیں مگر اے فرازؔ تم تو وفاداری نبھاتے۔

تشریح

احمد فرازؔ ہر دل عزیز اور مقبولِ عام ترقی پسند اور انقلابی سوچ کے حامل شاعر تھے۔ احمد فرازؔ نے اپنی شاعری کو غمِ دوراں اور غمِ جاناں کا ایک حسین امتزاج بنا کر پیش کیا۔ انھیں اپنی شاعری کے تیکھے پن اور کاٹ دار لب و لہجے کے باعث کئی بار قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ نغمگی، موسیقیت، تغزل، روانی اور رومانویت ان کی شاعری کی اہم خصوصیات ہیں۔ فراق گورکھ پوری احمد فراز کے متعلق یوں بیان کرتے ہیں۔

''احمد فراز کی شاعری اُردو میں ایک نئی اور توانا آواز کی حیثیت رکھتی ہے۔''

تشریح طلب شعر میں شاعر اپنے آپ پر تنقید کرتا ہے کہ محبوب وفاداری کا لحاظ کرتا یا نہیں کرتا یہ اس کا فعل تھا لیکن تم تو وفاداری نبھاتے جاتے۔ تمھیں اپنے فرائض سے غافل نہیں ہونا چاہیے بلکہ انھیں ہر حال میں ادا کرتے رہنا چاہیے تھا۔ محبوب کا اپنا ظرف ہے اور تمھارا اپنا ظرف ہے۔ اس شعر میں خود احتسابی کا انداز موجود ہے لیکن ساتھ ساتھ محبوب کی بے رخی کی جانب بھی اشارہ ہے۔ شاعر نے درپردہ محبوب کو بے وفا کہا ہے۔ لیکن ساتھ خود پر تنقید بھی کی ہے کہ محبوب نے وفا کی یا نہیں کی یہ اس کا معاملہ تھا لیکن تمھیں تو وفا کرنی چاہیے تھی۔ شاعر نے محبوب کے رویے پر شک ظاہر کرتے ہوئے خود سے پاس داری/وفا کا مطالبہ کیا ہے۔

محبوب تو بے وفائی کیا ہی کرتے ہیں لیکن عاشق وفا نبھاتے ہیں اور اس کے لیے جان کی بازی تک لگا دیتے ہیں۔ لہٰذا محبوب کے رویے پر نالاں ہونے کی بجائے اپنے رویے پر غور کرنا چاہیے اور اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔

شعر سادگی، روانی اور سلاست سے بھرپور ہے۔ ''تھا کہ نہ تھا'' میں لفظ ''تھا'' کی تکرار ہے اور تضاد بھی ہے۔ ''پاسِ وفا'' اور ''نبھاتے جاتے'' جیسے الفاظ نہایت خوب صورتی سے استعمال ہوئے ہیں جو محبت و وفاداری کی علامت ہیں۔

مشقی سوالات

ا۔ مندرجہ ذیل کے مختصر جواب دیں:

(الف) احمد فرازؔ سلسلۂ دوستی ختم ہونے کے باوجود مراسم رکھنے کی خواہش کس بنیاد پر کر رہے ہیں؟

جواب: احمد فرازؔ سلسلۂ دوستی ختم ہونے کے باوجود مراسم رکھنے کی خواہش اس بنا پر کر رہے ہیں کہ ماضی میں محبوب کے ساتھ ان کے اچھے اور مضبوط تعلقات رہے ہیں۔ محبوب کو ماضی کے ان تعلقات کا ضرور پاس رکھنا چاہیے اور سلسلۂ دوستی بالکل منقطع کرنے کی بجائے معمول کے مراسم یعنی آنے جانے اور دعا سلام کی حد تک تو رابطہ بحال رکھنا چاہیے۔

(ب) دوسرے شعر سے ہمیں کون سا اخلاقی سبق ملتا ہے؟

جواب: دوسرے شعر میں شاعر نے پیغام دیا ہے کہ رات کی تاریکی کا شکوہ کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ معمولی سی شمع جلا کر اپنے حصے کا تعمیری کام کیا جائے۔ یعنی برے حالات پر رونے دھونے کی بجائے ہر شخص انفرادی سطح پر حالات درست کرنے کی سعی کرے اور اپنی ذمہ داری نبھائے۔

(ج) شاعر کو ہجر میں مرنا بہ یک وقت آسان اور مشکل کیوں لگتا ہے؟

جواب: شاعر کو ہجر میں مرنا آسان لگتا تھا کیوں کہ اسے ہجر کی اذیت اور تکلیف موت کی تکلیف اور سختی کی نسبت آسان لگتی تھی۔ ہجر میں پل پل مرنا پڑتا ہے جب کہ موت ایک بار ہی خاتمہ کر دیتی ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ موت پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا۔ موت اپنے وقت پر آتی ہے۔ اس لیے شاعر کو بظاہر ہجر میں مرنا آسان لگتا تھا لیکن اس مرنے میں بھی اسے ایک عمر لگی۔

(د) احمد فرازؔ کا چوتھا شعر انقلابی اور مزاحمتی نوعیت کا ہے اس کی وضاحت کریں۔

جواب: احمد فرازؔ کا چوتھا شعر انقلابی اور مزاحمتی نوعیت کا ہے۔ اس میں پیغام ہے کہ بہادر لوگ کسی بھی عظیم مقصد کے لیے جان کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرتے۔ وہ ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں، چاہے اس کے لیے انھیں سر ہی کیوں نہ کٹوانا پڑے۔ وہ خوشی خوشی ناچتے گاتے سر کٹانے کو تیار ہوتے ہیں۔ احمد فرازؔ نے ساری زندگی جاگیرداروں، وڈیروں اور سرمایہ داروں کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کیے رکھا۔ ان کی شاعری میں معاشرتی ناہمواریوں، سماجی ناانصافیوں اور حکومتِ وقت کے ظالمانہ فیصلوں کے خلاف شدید ردِّعمل پایا جاتا ہے۔

چناں چہ انھوں نے یہاں اپنے عزم و حوصلے اور ہمت کا ذکر کیا ہے کہ میں ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کرنے کی ہمت رکھتا ہوں اور اس کے عوض قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرتا ہوں۔ پاؤں میں بیڑیاں ہونے کے باوجود میرے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ میں نے سنا تھا کہ ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کو تختۂ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے لیکن یہاں قتل گاہ میں ایسا کوئی منظر نظر نہیں آیا ورنہ میں پابجولاں ہوتے ہوئے بھی بخوشی تختۂ دار کی جانب جان قربان کرنے کے لیے چلا آتا۔ کیوں کہ مجھے معلوم ہے بہادر لوگ جس حوصلے اور شان سے تختۂ دار یا قتل گاہ کی طرف جاتے ہیں وہ انھیں زندہ و جاوید اور امر کر دیتی ہے۔

(ہ) آپ کے خیال میں کیا یک طرفہ طور پر وفا کا رشتہ نبھایا جا سکتا ہے؟

جواب: یک طرف طور پر وفا کا رشتہ نبھایا جا سکتا ہے کیوں کہ ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار خود ہے۔ کسی دوسرے کی بے وفائی ہماری بے وفائی کا جواز فراہم نہیں کرتی۔ اگر ہمیں پاسِ وفا ہے تو وفا نبھاتے رہنا چاہیے۔

۲۔ مصرعے مکمل کریں:

(الف) شکوۂ ۔۔۔۔۔ سے تو کہیں بہتر تھا

(ب) پھر بھی اک ۔۔۔۔۔ جان سے جاتے جاتے

(ج) ورنہ اتنے تو ۔۔۔۔۔ تھے کہ آتے جاتے

(د) جشنِ مقتل ہی نہ ۔۔۔۔۔ ہوا ورنہ ہم بھی

(ہ) تم ۔۔۔۔۔ اپنی طرف سے تو نبھاتے جاتے

جواب:

(الف) شکوۂ ۔۔۔۔۔ ظلمتِ شب ۔۔۔ سے تو کہیں بہتر تھا

(ب) پھر بھی اک ۔۔۔ عمر لگی ۔۔۔ جان سے جاتے جاتے

parho.pk

(ج) ورنہ اتنے تو ۔۔۔ مراسم ۔۔۔ تھے کہ آتے جاتے

(د) جشنِ مقتل ہی نہ ۔۔۔ برپا ۔۔۔ ہوا ورنہ ہم بھی

(ہ) تم ۔۔۔ فراز ۔۔۔ اپنی طرف سے تو نبھاتے جاتے

۳۔ درست جواب کی نشان دہی کریں۔

(الف) جاتے جاتے توڑ گیا:

(الف) تعلقات (ب) راہ ورسم (ج) مراسم **(د) سلسلے**

(ب) اپنے حصے کی جلاتے:

(الف) آگ (ب) موم بتی (ج) اگربتی **(د) شمع**

(ج) شاعر نے حوصلہ شکنی کی ہے:

(الف) مایوسی کی (ب) اداسی کی (ج) تنہائی کی **(د) شکوہ شکایت کی**

(د) اگر جشنِ مقتل برپا ہوتا تو شاعر جاتا:

(الف) ناچتے ہوئے (ب) گاتے ہوئے (ج) گریہ وزاری کرتے ہوئے **(د) ناچتے گاتے ہوئے**

(ہ) فراز غزل کے مقطع میں بے وفائی کے بدلے بات کر رہے ہیں:

(الف) بدلہ لینے کی **(ب) وفا کرنے کی** (ج) بے وفائی کی (د) تعلق منقطع کرنے کی

۴۔ احمد فراز کی اس غزل کا کون سا شعر آپ کو زیادہ پسند ہے؟ وجہ بھی بیان کریں۔

جواب: مجھے احمد فراز کی اس غزل کا درج ذیل شعر بہت پسند آیا:

شکوۂ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

اس شعر میں شاعر نے تلقین کی ہے کہ برے حالات کا شکوہ کرنے سے بہتر ہے کہ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق حالات کو بہتر کرنے کی سعی کرے۔ زمانے کی خرابی کا شکوہ شکایت کرتے رہنے کی بجائے ہر شخص کو انفرادی سطح پر کوئی نہ کوئی تعمیری کام کرنا چاہیے تاکہ زمانے کی وہ خرابی دور ہو سکے۔ معاشرہ افراد ہی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جب ہر فرد پوری ایمان داری سے اپنی ذمہ داری ادا کرے گا تو پورے معاشرے کی اصلاح ہو جائے گی۔

۵۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کے جملے بنائیں۔

مراسم ظلمتِ شب جشنِ مقتل پابجولاں پاسِ وفا

جواب:

الفاظ و تراکیب	جملے
مراسم	ہمسایوں کے ساتھ ہمارے بہت اچھے مراسم ہیں۔
ظلمتِ شب	ظلمتِ شب کا شکوہ کرنے سے بہتر ہے کوئی شمع جلائی جائے۔
جشنِ مقتل	جب جشنِ مقتل برپا ہوتا ہے تو سرفروشوں کے دل میں سرفروشی کی تمنا بڑھ جاتی ہے۔
پابجولاں	قیدی کو پابجولاں عدالت میں لایا گیا۔
پاسِ وفا	اگر تمھیں ذرا بھی پاسِ وفا ہوتا تو آخری دم تک محبت نبھاتے۔

۶۔ اس غزل کے قوافی اور ردیف کی پہچان کرتے ہوئے اپنی کاپیوں میں درج کریں۔

جواب:

قوافی: جاتے، آتے، جلاتے، گاتے، بُہاتے

ردیف: جاتے

۷۔ مندرجہ ذیل اشعار کی فکری وفنی حوالوں سے تشریح کریں:

(الف) شکوۂ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

(ب) جشن مقتل ہی نہ برپا ہوا ورنہ ہم بھی
پابجولاں ہی سہی ناچتے گاتے جاتے

جواب: دیکھیے تشریح اشعار۔

صنعت مراعات النظیر:

وہ صنعت جس کے ذریعے سے شعر میں کچھ ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جو ایک ہی رعایت یا ایک ہی قبیلے کے ہوتے ہیں۔ مثلاً: اقبالؒ کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا
ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو

اس شعر میں ناخدا (کشتی کے ملاح)، بحر، کشتی اور ساحل کے الفاظ جمع ہو جانے سے مراعات النظیر کی شرائط پوری ہو گئی ہیں۔

۸۔ احمد فراز کی اس غزل میں ایسے شعر کی شناخت کریں جس میں آپ سمجھتے ہیں کہ صنعت مراعات النظیر استعمال ہوئی ہے۔

جواب:

شکوۂ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

اس شعر میں "ظلمتِ شب" کے الفاظ ابتدا میں لا کر اس سے متعلقہ الفاظ "شمع جلاتے" استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ صنعت مراعات النظیر ہے۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

۱۔ احمد فراز کی یہ غزل زبانی یاد کریں اور دوستوں کو سنائیں۔
۲۔ احمد فراز کی کوئی اور غزل اپنی ڈائری میں لکھیں اور اشعار کا برمحل استعمال کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

۱۔ طلبہ کو مردف اور غیر مردف غزل کا فرق سمجھائیں۔
۲۔ طلبہ کو شعری محاسن سے روشناس کرائیں۔
۳۔ طلبہ کو غزل کی دیگر شعری اصناف سخن سے انفرادیت کے بارے میں بتائیں۔

parho.pk